بحث و نظر

ایک فراموش شدہ سنّت

جناب محمد امین صاحب ۔ ریاض

مولانا سید محمود حسن (جامع العلوم ملتان) کا مضمون عنوان بالا سے شائع ہو چکا ہے جس کے مطابق اُن کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ سر ڈھانپنا از روئے سنت ضروری ہے۔ ریاض (سعودی عرب) سے محمد امین صاحب نے اس نقطۂ نظر سے اختلاف کیا ہے۔ مناسب یہی معلوم ہوا کہ اختلافی نقطۂ نظر بھی ان اوراق میں پیش کر دیا جائے۔ (ادارہ)

ربیع الاوّل کے ترجمان القرآن میں مولانا سید محمود حسن صاحب کا ایک مقالہ شائع ہوا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آج کل ننگے سر رہنے کا جو رواج عام چل پڑا ہے وہ سنّتِ نبوی اور اسلامی تہذیب کے خلاف ہے۔ اس سلسلے میں کچھ اصولی گذارشات مختصر طور پر ہم پیش کرنا چاہتے ہیں:۔

۱ــــ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مشروط اطاعت ہم پر بحکم الٰہی فرض ہے اور ایک مومن اس وقت تک مومن ہو نہیں سکتا جب تک کہ حضورؐ کا اتباع برضا و رغبت نہ کرے۔ لہٰذا حضورؐ کے اسوہ کی پیروی ہی میں ہمارے لیے دین و دُنیا کی سعادت ہے اور ہمارا یہ کام نہیں کہ ہم حضورؐ کی سنّت کی پیروی کرنے میں "رخصتیں" تلاش کریں بلکہ حضورؐ کے ساتھ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ والہانہ جذبے کے ساتھ اور مخالفتوں کا سامنا کر کے حضورؐ کے احکام کا اتباع کریں۔

۲ــــ لیکن اس کے باوجود یہ ایک معروف قانونی حقیقت ہے کہ شریعت کے احکام کی (خواہ وہ نصوص قرآن پر مبنی ہوں یا سنّتِ رسول پر) تشریعی حیثیت یکساں نہیں ہے۔ کسی چیز کو شریعت نے فرض اور واجب قرار دیا ہے (کہ اس کا تارک گنہگار ہوگا) تو کسی کو مندوب اور مستحب سمجھا ہے

(کہ اس کے کرنے میں ثواب ہے نہ کرنے میں مواخذہ نہیں) اور کسی میں صرف اباحت ہے کہ یہ کام کیا جا سکتا ہے اور اس کا کرنا نہ کرنا شریعت کی نظر میں برابر ہے۔ دوسرے لفظوں میں نہ اس کا کرنا ضروری ہے اور نہ اسے چھوڑ دینا عیب۔

۳۔۔۔ اسلامی شریعت دین اور دنیا میں تفریق نہیں کرتی بلکہ بیک وقت دونوں کی فلاح کے لیے نقشۂ کار مسلمانوں کو مہیا کرتی ہے لیکن احکام میں خود قرآن وسنّت کا اسلوب یہ ہے کہ جن امور میں مسائل کا ادراک اور اس کی تفصیلات کا تعین عقل نہیں کر سکتی ہے، انہیں پوری تفصیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا ہے یا اس کی وضاحت حضورؐ نے فرما دی ہے (یعنی اعتقادات وعبادات وغیرہ)۔ لیکن جن امور کا تعلق تمدنی ضرورتوں اور انسانوں کے آپس کے معاملات سے ہے۔ اس بارے میں شریعت نے چند بنیادی قاعدے امت کو عطا کر دیے ہیں اور ضروری باتیں بتا دی ہیں اور اس کے بعد آزادی دے دی ہے کہ وہ ان اصول وقواعد کی روشنی میں تفصیلات طے کرتی رہے۔ مثال کے طور پر ہم اپنے دیہی معاشرے کی مثال دیتے ہیں کہ لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ اب کھیتی باڑی کرنے میں شریعت کے عام احکام تو لاگو ہوں گے کہ ایک آدمی دوسرے کا مال بلا حق نہ کھائے، ہمسائے کی ایذا رسانی نہ کرے، پیداوار میں سے عشر اور زکوٰۃ کے اخراج کا بندوبست کرے، اس پیداوار کی خرید وفروخت میں احکام شریعت کا پابند رہے۔ اس پیداوار کے حصول کے لیے اگر ملازم رکھے تو ان کے جائز حقوق ان کو دے ...... وغیرہ۔ ان سب امور میں شریعت نے اس کے لیے احکام رکھے ہیں لیکن اس سے آگے بڑھ کر شریعت اس کو یہ نہیں بتائے گی کہ وہ ہل کیسے چلائے؟ سیدھے پھل کا پرانا دیسی ہل مفید ہے یا انگریزی ہل؟ یا ان دونوں کو چھوڑ کر ٹریکٹر بہتر رہے گا؟ یا یہ کہ ٹریکٹر سے ہل چلانا "بدعت" ہے اور یا چونکہ اس میں فائدے ہیں اس لیے یہ "واجب ہے" اور پرانا دیسی ہل چلانا "حرام" اور "مکروہ" ہے۔

۴۔۔۔ بالکل اسی طرح کا مسئلہ لباس کا بھی ہے، یہاں شریعت کو مطلوب یہ ہے کہ آدمی اپنا ستر ڈھانپے، اس کا لباس ایسا ہو کہ اسے موسموں کی شدت سے محفوظ رکھے، اس کی مالی حالت کے مطابق ہو اور اس کے انسانی شرف ووقار کے مناسب ہو۔ لیکن اس سے آگے بڑھ کر شریعت ہم کو یہ نہیں بتائے گی کہ ہم تہبند پہنیں یا شلوار اور پائجامہ بہتر ہے یا پتلون، اور سر کو ڈھانپیں یا ننگا رکھیں

اور یا پھر سر پر ٹوپی نہ رکھیں یا عمامہ، اور اسی طرح قمیص پہنیں یا بش شرٹ اور بازو کھلے ہوں کہ بند۔ ان چیزوں میں شرعی حکم تلاش کرنا عبث ہے۔

۵ — حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک خاص زمانے میں، ایک مخصوص معاشرے میں رہتے تھے، جہاں کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کی لوگوں کی خاص عادات تھیں (اپنی ضروریات اور حالات کے مطابق) اور اپنے مخصوص طریقے تھے۔ اب شریعت کو یہ مقصود نہیں کہ قیامت تک آنے والے لوگ اسی طرز کا لباس پہنیں جو حضورؐ یا اُن کے صحابہ اپنے معاشرے میں پہنتے تھے یا وہ کھانے کھائیں جو وہ کھاتے تھے۔ نہ قرآن نے اس کی تخصیص کی ہے اور نہ حضورؐ نے اس قسم کا حکم کسی کو دیا ہے اور نہ حضورؐ کے متبعین اور ہمارے جلیل القدر اسلاف میں سے کسی نے اس کا یہ مفہوم لیا ہے۔ حضورؐ نے کبھی کسی کو نہیں فرمایا کہ چونکہ مجھے کدو پسند ہے اس لیے تم بھی کدو کھاؤ یا میں تہبند اور عمامہ پہنتا ہوں اس لیے تم بھی تہبند اور عمامہ باندھو وغیرہ۔

۶ — یہی وجہ ہے کہ اصولیوں نے افعال الرسول کی تشریعی حیثیت کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے اس امر کا خیال رکھا ہے اور اکثر اصولیوں کی یہی رائے ہے[1] کہ اگر حضورؐ نے کوئی فعل کیا ہو لیکن اس کے کرنے کا حکم نہ دیا ہو اور یہ کام قربت یعنی عبادات وغیرہ کی نوعیت کا بھی نہ ہو تو اُمّت پر اس کا اتباع "واجب" نہیں ہوتا بلکہ اس سے صرف اس کام کی "اباحت" ظاہر ہوتی ہے کہ ایسا کیا جا سکتا ہے اور ایسا کرنا حرام اور مکروہ نہیں ہے۔ اس میں اگر کوئی شدت برتنے تو زیادہ سے زیادہ اس میں سے ندب کا پہلو نکل سکتا ہے کہ چونکہ حضورؐ نے یہ کام اس طرح کیا ہے لہٰذا ہم بھی اسی طرح کریں۔ لیکن نہ کرنے والا پھر بھی قابلِ مواخذہ نہ ہوگا۔ اگرچہ ہمارے نزدیک مختار یہی ہے کہ معاشرتی عادات یعنی کھانے پینے اور اوڑھنے بچھونے جیسے کاموں میں افعال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اباحت

[1] کتاب اللمع فی اصول الفقہ لفیروز آبادی، ص ۴۴، مطبعہ بمصر ۱۳۲۶ھ الاحکام فی اصول الاحکام للآمدی، جلد ۱ ص ۲۷۴، طبع دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۰ھ — المستصفی للغزالی، جلد ۲، ص ۲۱۶، مطبع دار الصادر۔ فواتح الرحموت فی شرح مسلم الثبوت، جلد ۱ ص ۱۸۰ علی ہامش طبع دار الصادر۔

ظاہر ہوتی ہے۔

۷۔۔۔ مولانا سید محمود حسن صاحب نے اپنے مضمون میں جتنی بھی احادیث اور روایات نقل کی ہیں، اُن سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ اور آپؐ کے صحابہؓ عمامہ باندھا کرتے تھے اور اُن سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضورؐ نے اُمت کو عمامہ باندھنے کی تلقین کی ہے یا سر ڈھانپے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اب کیا یہ شریعت کے منشا کے مطابق ہے کہ ہم لوگوں سے اس چیز کا مطالبہ کریں جس کا مطالبہ خود حضورؐ نے ہم سے نہیں کیا ہے۔

۸۔۔۔ ہم یہاں مختصر طور پر ان دو عظیم فقہی قاعدوں کا بھی ذکر کرنا چاہتے ہیں جن سے صرفِ نظر کر کے کوئی شرعی حکم (فروع میں) نافذ نہیں کیا جانا چاہیے اور یہ قاعدے ہیں:۔

۱۔ مقاصد الشریعہ اور ۲۔ عرف

۱۔ مقاصد الشریعہ

شریعت نے جو بھی قاعدہ مقرر کیا ہے تو اس کی کوئی نہ کوئی "علت" ہے اور مسلمانوں کو اس کا مکلف کرنے میں شریعت کے پیشِ نظر کچھ نہ کچھ اہداف اور مقاصد ہیں اور وہ امور جن کا تعلق انسانوں کے مابین معاملات سے ہے اور جو تمدنی ترقی کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں اور اس کے لیے شارع نے ہمیں ناقابلِ تغیر نصوص بھی نہیں دیے تو ایسے معاملات میں ماضی کا تعامل یا فیصلے اپنی "شکل" صورت میں بعد کے زمانے کے لیے حجت نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ایسے معاملات میں شریعت کے عمومی مقاصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے شرعی حکم عاید کیا جانا چاہیے۔

۲۔ عرف

یہی کیفیت عرف کی ہے یعنی وہ عادات جو لوگوں میں مروّج ہو گئی ہوں اور شریعت کے اُصولوں کے خلاف بھی نہ ہوں وہ شریعت کے نزدیک بھی معتبر اور قابلِ قبول ہیں۔ اب اگر لوگ اس دائرہ اباحت کے اندر رہتے ہوئے اپنی کسی عادت کو بدل لیتے ہیں تو اُس پر شرعی نقطۂ نظر سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا، چاہے وہ اسلاف کی عادات سے مختلف ہی کیوں نہ ہو۔ خاص طور پر کھانے پینے اور پہننے اور اُوڑھنے کی عادات اس میں شامل ہیں۔ خود ہمارے ہاں ہندو پاک میں بھی ٹوپی شیروانی وقار اور تہذیب کی علامت تھی، بلکہ اب بھی ہے، اور سنجیدہ اور وضعدار لوگ ننگے سر رہنا پسند

نہیں کرتے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اس عرف کو عرف ہی رہنے دیا جائے اور حضورؐ سے عمامہ باندھنے کی بنا پر سر پر ٹوپی رکھنے یا عمامہ باندھنے کو مستقل شرعی حکم نہ بنایا جائے۔ اور اب اگر لوگوں نے پہلے عرف کو بدل کر ننگے سر رہنے کو اپنا عرف بنا لیا ہے تو یہ بھی شرعی لحاظ سے مقبول ہونا چاہیے، مردود نہیں۔ کیوں کہ یہ اُمور مباحہ میں سے ہے۔ اور اس میں کوئی نص بھی وارد نہیں ہوئی ہے۔

اُوپر کی سطور میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ ایک اُصولی اور علمی بات ہے اور اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اسے علمی اختلاف پر ہی محمول کیا جائے اور اسے حضورؐ کی سنّت سے اعراض برتنے یا سنّت کی تشریعی حیثیت اور عظمت سے انکار یا بے ادبی پر محمول نہ کیا جائے۔

قارئین کی زبردست خواہش کے پیش نظر اس شمارے سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تحریروں کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا آٹھ صفحات کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اب ہر شمارہ ۶۴ صفحات کے بجائے ۵۶ صفحات پر مشتمل ہو گا قیمت میں کوئی اضافہ نہیں کیا جا رہا ہے۔ لیکن خسارہ کا خطرہ موجود ہے۔ اِس لیے قارئین سے التماس ہے کہ ترجمان القرآن کی اشاعت کو بڑھانے کی کوشش جاری رکھیں اور ہر خریدار مزید ایک خریدار بنا کر ادارہ کے ساتھ تعاون فرمائیں۔

شکریہ